وعظ

اکمال العدۃ

(ایام رمضان کی تکمیل اور روزہ میں آسانی)

یہ وعظ اہلِ کیرانہ (ضلع مظفرنگر) کی درخواست پر ۲/ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ بروز بدھ کو ۲ ½ گھنٹے تک جامع مسجد میں کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا حضرت مولانا محمد احمد صاحب عثمانی مرحوم نے اسے قلم بند فرمایا۔

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارك وسلم۔ فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَایُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَاھَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْابِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ﴾[۱]

’’اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں اور تا کہ تم لوگ شمار کی تکمیل کرلیا کرو اور تا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کرو اس امر پر کہ تم کو طریقہ بتایا اور تا کہ تم لوگ شکر ادا کرو، اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو میں قریب ہی ہوں درخواست کرنے والے کی درخواست منظور کرلیتا ہوں جبکہ وہ میرے حضور میں درخواست دے سوان کو چاہیئے کہ میرے احکام کو قبول کریں اور مجھ پر یقین رکھیں تا کہ بھلائی حاصل کرسکیں‘‘

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۱۸۶۔۱۸۵۔

تمہید

ان آیات کا پہلا حصہ یہ ایک لمبی آیت کا ٹکڑا ہے اس میں حق تعالیٰ نے روزہ کے احکام کے مصالح ارشاد فرمائے ہیں اور دوسری آیت کو پہلی آیت کی تقویت کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ یہ حاصل ہے دونوں آیتوں کا مگر اس وقت جو جزو مقصود ہے وہ ﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾ ہے اور مضامین چونکہ اسی کے سیاق و سباق میں ہیں اس لئے سب کی تلاوت کر دی گئی۔

حاصل ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمہاری تکلیفوں کو گوارا نہیں فرماتا بلکہ تم کو آسانی پہنچانا چاہتے ہیں پس روزہ میں دشواری کا اندیشہ نہ کرو مثلاً گرمی کے موسم میں بعض لوگوں کو دشواری کا خیال ہوتا ہے مگر اس سے اندیشہ نہ کرنا چاہئیے کیونکہ اللہ تعالیٰ روزہ میں تم کو آسانی پہنچانا چاہتے ہیں اگر تم گرمی میں روزہ کی ہمت کرو گے اللہ تعالیٰ آسان کر دیں گے۔

روحانی سہولت

اب سمجھنا چاہئیے کہ وہ آسانی کون سی ہے جو ﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ﴾ سے حقیقتاً مراد ہے سو حقیقت میں آسانی معنوی اور روحانی ہے جس کا اثر یہ بھی ہے کہ جسمانی آسانی اس پر مرتب(۱) ہو جاتی ہے روحانی سہولت کا حاصل یہ ہے کہ روزہ سے تم کو دلچسپی عطا کر دی گئی اور دلچسپی سے جیسا روح کو آسانی ہوتی ہے جسمانی سہولت بھی اس پر مرتب ہو جاتی ہے کیونکہ دنیا کے کاموں میں مشاہدہ ہے کہ دل چسپی کے بعد دشوار سے دشوار کام بھی آسان ہو جاتا ہے ہم نے تقریباتِ شادی میں دیکھا ہے کہ نفیس المزاج لوگوں کو بعض دفعہ بارات کے

(۱) جسمانی راحت بھی اس کے ساتھ حاصل ہو جاتی ہے۔

انتظام میں پسینہ آجاتا ہے بھوکے مرتے ہیں مگر کچھ تکلیف نہیں ہوتی بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں اور اگر کبھی شکایت بھی کرتے ہیں تو ان کے لہجہ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اندر سے ان کا دل خوش اور شاداں ہے محض شکایت ہے تو وہ شکایت ایسی ہوتی ہے جس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں ۔

دل ہمی گوید از و رنجیدہ ام   وزنفاق ست او کہ من خندیدہ ام

''دل کہتا ہے کہ میں اس سے ناراض ہوں اور یہ میرا ہنسنا محض بناوٹی ہے''

بعض دفعہ اہل اللہ کے کلمات میں بھی شکایت ہوتی ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شکایت کررہے ہیں مثلاً ایک عاشق کا شعر ہے ۔

کیا ہی لطف خواب عدم میں تھا نہ تھا زلفِ یار کا کچھ خیال
سو جگا کے شور ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسادیا

مگر ان کے دل سے کوئی پوچھے کہ کیا وہ خدا سے رنجیدہ ہیں یا ان کو کچھ تکلیف ہے؟ ہرگز نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

گہ چنیں بنماید وگہ ضد ایں   جز کہ حیرانی نباشد کار دیں

''کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے اور کبھی اس کی ضد دکھائی دیتا ہے دین کا کام حیرانی کے سوانہیں چلتا''۔

اب کیا ان کو اس سے پریشانی ہے ہرگز نہیں وہ اس کے عوض سلطنت کا لینا بھی پسند نہیں کرتے۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں ۔

ناخوش تو خوش بود برجان من   دل فدائے یار دل رنجان من (۱)

(۱) ناخوش بھی خوش ہی ہے اس لئے کہ دل محبوب کی محبت میں گرفتار ہے۔

غرض قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز سے دلچسپی ہوتی ہے اس میں روحانی تکلیف نہیں ہوتی گو جسمانی تکلیف ہو پھر وہ بھی زیادہ محسوس نہیں ہوتی اس لئے بعض دفعہ دنیا والے خوش ہو کر ایسی تکالیف کو بیان کیا کرتے ہیں حالانکہ تکلیف میں خوشی کیسی؟ مگر اس کا راز وہی ہے کہ روح کو دلچسپی کی وجہ سے راحت ہوئی اس لئے جسمانی کلفت کی پرواہ نہیں کی گئی۔

نورِ ذکر اللہ

پھر عادۃ اللہ یہ ہے کہ اس کے بعد ظاہری اور جسمانی سہولت بھی ہو جاتی ہے' چنانچہ ذاکرین کو ذکر کے بعد بھوک نہیں لگتی۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ذکر سے پہلے بھوک لگی ہوئی تھی جس کی وجہ سے ذکر کرنا دشوار معلوم ہوتا تھا مگر ذکر شروع کیا گیا تو بھوک جاتی رہی۔ علامہ ابن القیم جو صوفی مشہور ہیں بلکہ ظاہری عالم سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اس کو تسلیم کر کے کہتے ہیں کہ نور ذکر بمنزلہ غذا (۱) کے ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک ذکر سے بھوک جاتے رہنے کا یہ سبب ہے کہ نورِ ذکر غذا کا کام دینے لگا ہے ایک شاعر اسی مضمون کو بیان کرتا ہے۔

وَذِكْرُك لِلْمُشْتَاقِ خَيْرُ شَرَابٍ وَكُلُّ شَرَابٍ دُوْنَهٗ كَسَرَابٍ

''آپ کا ذکر ہی عاشق کے لئے بہترین مشروب ہے اور اس کے سوا سب شرابیں سراب (ریت) کے برابر ہیں''۔

صوفیہ کے واقعات تقلیلِ غذا (۲) کے بارے میں ایسے عجیب ہیں جن کو دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ ذکر بمنزلہ غذا کے ہو جاتا ہے' چنانچہ کوئی بزرگ چلّہ میں غذا کم کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ بعض دفعہ چالیس دن میں صرف ایک بادام کھاتے

(۱) ذکر کا نور قائم مقام غذا کے ہوتا ہے (۲) کم کھانے کے بارے میں۔

تھے۔ اگر آپ اطباء سے دریافت کریں تو وہ ہرگز اس کو تسلیم نہ کریں گے کہ چالیس دن میں ایک بادام کافی ہوسکتا ہے؟ بس یہی کہنا پڑے گا کہ ذکراللہ نے غذا کا کام دیا اور اس میں تعجب کی کیا بات ہے اگر عاشق کو بھوک لگی ہو اور وہ کھانا کھانے بیٹھا ہو اس وقت اس کا محبوب آجائے تو عاشق کی بھوک جاتی رہتی ہے اس کی وہی حقیقت ہے کہ محبوب کو دیکھ کر ایسی فرحت ہوئی جس نے غذا کا کام دیا۔

اصلی غذا و دوا

بلکہ سچ پوچھو تو اصلی غذا یہی ہے یعنی فرحت اور جن کو تم غذا کہتے ہو وہ بھی اسی وقت غذا بنتی ہیں جب فرحت موجود ہو چنانچہ اگر کوئی شخص محزون (۱) ہو اس کو جتنے چاہو مال کھلا دو اس کے بدن کو کچھ لگتا ہی نہیں۔ اور فرحت و نشاط کی حالت میں معمولی غذا بھی پلاؤ قورمہ کا کام دیتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اصلی غذا فرحت اور بےفکری ہے بلکہ اصلی دوا یہی ہے کہ اطباء کہتے ہیں کہ فاعل صحت و مزیل مرض (۲) دوا نہیں بلکہ طبیعت ہے اور طبیعت اس وقت فاعل ہوگی جب کہ اس میں قوت ہو بس دوا کا کام صرف اتنا ہے کہ طبیعت کو قوت دی پھر کسی کی طبیعت کو دوا دارو (۳) کرنے سے قوت حاصل ہوتی ہے اور بعض طبائع (۴) کو ترکِ دوا سے قوت حاصل ہوتی ہے تو یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص دوا نہیں کرتا یہ غلط ہے وہ بھی حقیقت میں دوا کرتا ہے کیونکہ دوا کی حقیقت یعنی قوتِ طبیعت کا سامان وہاں بھی موجود ہے یہ اور بات ہے کہ اسکی تقویت طبع کا سامان ترکِ دوا (۵) ہے اور دوسروں کے لئے دوا ہے تو یہ محض ظاہری

(۱) غمگین (۲) صحت لانے والی اور مرض کو دور کرنے والی چیز طبیعت ہے (۳) دوا علاج کرنے سے (۴) بعض طبیعتوں کو (۵) اس کی طبیعت میں قوت دوا کے چھوڑنے سے آتی ہے۔

فرق ہے ورنہ حقیقی دوا سے کوئی خالی نہیں غرض یہ دعویٰ محقق (۱) ہو گیا کہ اصلی غذا اور اصلی دوا فرحت ونشاط ہے خواہ دوا سے ہو یا اور چیز سے ہو۔

سو ذاکرین کو ذکر اللہ سے بیحد نشاط وفرحت حاصل ہوتا ہے اس لئے وہ ان کو غذا اور دوا کا کام دے جاتا ہے۔ اور کسی کو اپنے محبوب کے دیکھنے سے نشاط ہوتا ہے اس کو محبوب کا دیکھ لینا دوا سے بڑھ کر نافع (۲) ہو جاتا ہے چنانچہ اگر کوئی عاشق بیمار ہوا اور مشرف بہلاک ہو (۳) اس حالت میں اس کا محبوب چلا آوے تو عاشق محبوب کو دیکھ کر اُٹھ بیٹھتا ہے۔

مجھے اپنا واقعہ یاد ہے کہ ایک بار میرے والد صاحب مرحوم الٰہ آباد میں بیمار ہو گئے، میں کانپور سے دیکھنے گیا تو مجھے دیکھ کر اُٹھ بیٹھے اور کھڑے ہو گئے اور مجھ کو لے کر مارکیٹ گئے حالانکہ اس سے پہلے کروٹ لینے میں بھی تکلف ہوتا تھا تو محبوب کا دیکھنا دوا سے بھی زیادہ نافع ہوتا ہے۔ ایک دفعہ میں مولانا رفیع الدین صاحب (مہتمم مدرسہ دیوبند) کی عیادت کو گیا کیونکہ وہ سخت بیمار تھے مولانا کو مجھ سے بہت محبت تھی تو مجھ سے مل کر فرمانے لگے کہ تجھے دیکھ کر تو میری بیماری جاتی رہی۔ پہلا واقعہ دنیوی بزرگ کا ہے اور دوسرا واقعہ دینی بزرگ کا ہے معلوم ہوا کہ اصل قوت کی چیز فرحت ہے یہی تمام غذاؤں کی جڑ ہے اور یہ جب کہ خود بھی غذا کا کام دیتی ہے ورنہ اقل درجہ یہ تو ضرور ہے کہ بدون (۴) اس کے کوئی غذا غذا نہیں بنتی جب یہ مقدمہ سمجھ گئے تو اب بزرگان دین کی تقلیلِ غذا پر کوئی وجہ حیرت نہیں کیونکہ ان حضرات کو ذکر اللہ سے ایسا نشاط (۵) حاصل ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی مفرح یا قوتی اور خمیرہ ایسا نشاط نہیں (۶) پیدا کرسکتا تو وہ ایک بادام پر چالیس دن تک کفایت

(۱) تحقیق سے یہ دعویٰ ثابت ہوگیا۔ (۲) مفید (۳) ہلاکت کے قریب ہو (۴) اس کے بغیر (۵) فرحت (۶) دنیا کی کوئی طاقتور سے طاقتور دوا ایسی فرحت نہیں پیدا کرسکتی۔

کر سکتے ہیں کیونکہ ظاہر میں تو انہوں نے ایک بادام کھایا مگر حقیقت میں کثرتِ ذکر کی وجہ سے وہ تو سیروں بادام کھا گئے بلکہ بادام سے بھی بڑھ کر مقوی غذا کھا گئے پس روزہ میں حقیقی یسر (۱) تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے دلچسپی عطا فرمائی ہے اور دلچسپی کی چیز سے فرحت ہوتی ہے چنانچہ مشاہد ہے کہ روزہ سے طبیعت کو ایسی تازگی ہوتی ہے کہ باوجود ضعفِ بدن کے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی پھر عادۃ اللہ یہ ہے کہ روزہ میں بلکہ تمام طاعات میں روحانی یُسر کے ساتھ جسمانی یسر کے اسباب بھی عطا فرمادیتے ہیں۔ چنانچہ اس سال باوجودیکہ رمضان سخت گرمیوں میں ہے مگر رمضان کے آتے ہی بادل اور بارش کا سامان ہوگیا جس سے جسمانی راحت بھی حاصل ہوئی شعبان میں روزہ رکھا تھا تو سخت تکلیف ہوئی تھی مگر بحمداللہ طبیعت کو اس سے بھی فرحت ہوئی۔ اسی لئے باوجود جسمانی کلفت کے روزہ گراں نہیں ہوا اور خوبی کے ساتھ پورا ہوگیا۔

صومِ شعبان کی حکمت

رمضان سے پہلے نصف شعبان کا روزہ مشروع ہونے کی یہ بھی ایک حکمت ہے کہ روزہ سے گونہ مناسبت ہوجائے اس کے بعد جب رمضان آئے گا تو روزہ کا اثر زیادہ نہ ہوگا بلکہ دل یوں کہے گا کہ جیسا شعبان کا روزہ تھا ویسا ہی رمضان کا ہوگا اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ چنانچہ بحمداللہ اب رمضان کے روزہ کا اثر زیادہ نہیں ہوا گو کسی قدر ضرور ہوا اور اگر بالکل بھی اثر نہ ہوتا تو آپ خود اس تجویز کو بدلتے اور اس کی تمنا کرتے کہ کچھ تو اثر ہوتا' چنانچہ جاڑوں (۲) کے روزہ میں لوگ کہا کرتے تھے کہ روزہ کا مزہ نہ آیا روزہ کا مزا تو گرمی کے روزہ میں ہے کہ افطار سے

(۱) حقیقی سہولت (۲) سردیوں کے روزوں میں لوگ کہتے ہیں۔

پہلے چھڑکاؤ ہو رہا ہے ٹھنڈے پانی کا اہتمام ہو رہا ہے کوئی شربت بنا رہا ہے کوئی برف لا رہا ہے جاڑوں (۲) میں تو یہ خیالات تھے کہ اب گرمی کے روزوں سے کیوں گھبراتے ہو یہ تو تمہارا ہی تجویز کردہ ہے ﴿وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ (۳) بعض حضرات صحابہؓ نے جو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے کیونکہ غزوۂ بدر دفعۃً ہو گیا جس کا کسی کو گمان بھی نہ تھا جہاد کا شوق ظاہر کیا تھا کہ اگر غزوۂ بدر کے بعد کبھی جہاد کا موقعہ ہوا تو سب دیکھ لیں گے کہ ہم اس کے راستہ میں کس طرح جانبازی کرتے ہیں اس کے ایک سال بعد ہی غزوۂ احد ہو گیا جس میں اول تو مسلمان غالب ہو گئے تھے پھر ان کے قدم اکھڑ گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم تو موت کی تمنا کرتے تھے لو اب تو اس کو اچھی طرح دیکھ لیا۔ یہی حالت روزہ کے متعلق ہماری ہے کہ جاڑوں میں تو گرمیوں کے روزہ کی تمنا کرتے تھے جب گرمیوں میں رمضان آیا تو بہت سے گھبرا گئے' اب اگر رمضان میں سختی بھی رہتی تو کیا حرج تھا کیونکہ وہ تو منہ مانگی مراد تھی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ پر سختی نہیں کی بلکہ لطف فرمایا کہ گرمی کی تکلیف بھی رفع فرما دی بارش کا سامان کر دیا چنانچہ سارا رمضان بادل و بارش میں گزر گیا اگرچہ اس وقت رمضان کے دن لمبے تو ہیں خصوصا مجھے اس سال زیادہ لمبے اس لئے معلوم ہوتے ہیں کہ اس سال میں نے رمضان میں سوائے جوابات ڈاک کے اور تلاوت قرآن کے اور سب کام چھوڑ دیئے' تعلیم و تلقین بھی بند کر دی' تالیف و تصنیف بھی ملتوی کر دی اور ایسی حالت میں قاعدہ ہے کہ دن زیادہ لمبا معلوم ہوتا ہے اگر آدمی ہر وقت کسی نہ کسی کام میں لگا رہے تو دن لمبا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر الحمد للہ کہ دن لمبے ہوتے ہوئے بھی تکلیف کچھ نہیں معلوم ہوئی کیونکہ گرمی کم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ

(۲) سردی کے موسم میں (۳) سورۃ آل عمران: ۱۴۳۔

اپنے بندوں کی مدد کام میں بھی کرتے ہیں، اسباب میں بھی کرتے ہیں حالانکہ اہل دنیا کا قاعدہ یہ ہے کہ صرف اسباب میں مدد کرتے ہیں کام میں مدد نہیں کرتے آپ اگر کسی معمار کو اپنے کام پر لگائیں تو کام میں آپ اس کی مدد نہیں کیا کرتے مثلاً جس وقت وہ کام کرنے بیٹھے اس وقت آپ اس کا کام بٹوادیں صرف اسباب میں(۱) امداد کرتے ہیں مگر حق تعالیٰ کا لطف یہ ہے کہ اسباب میں بھی، مدد کرتے ہیں اور کام میں بھی حقیقت میں جو کچھ تھوڑا بہت کام ہم سے ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہو جاتا ہے بس ہمارے کام کی ایسی مثال ہے جیسے آپ قلم ہاتھ میں لے کر بچہ کا ہاتھ بھی اس پر رکھ لیں اور ایک خوشخط تحریر لکھ دیں اور بچہ کی تعریف کریں کہ شاباش تم نے خوب لکھا اور وہ بچہ نادان بھی یہ سمجھ کر کہ میں نے لکھا ہے خوش ہوتا ہے حالانکہ اس کا تو نام ہی نام ہے۔ کام تو اور کسی کا تھا یہی حالت ہمارے کام کی ہے ؎

کارِ زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں　　مصلحت راتہمتے برآہوئے چیں بستہ اند

''مشک افشانی آپ کی زلفوں کا کام ہے مگر عاشقوں نے کسی مصلحت کی بناء پر آہوئے چین (۲) کو مشک پیدا کرنے کا ذریعہ مان لیا''

لوگوں نے یہ تو دیکھ لیا کہ روزہ ہمارے منہ میں ہے مگر یہ خبر نہیں کہ منہ کس کے ہاتھ میں ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

دو دہاں داریم گویا ہمچو نے　　یک دہاں پنہاں ست درلب ہائے وے

یک دہاں نالاں شدہ سوئے شما　　ہائے و ہوئے در فگندہ در سماء

''بانسری کی طرح ہمارے بھی دو منہ ہیں۔ ایک منہ اس کی لبوں میں پوشیدہ ہے ایک منہ تمہاری طرف کارو رہا ہے اور آسمان و زمین میں ہاؤ ہو ڈال رہا ہے''۔

(۱) مطلب یہ ہے کہ اس کو ریت، بجری، اور سیمنٹ وغیرہ لاکر دے دیتے ہیں لیکن اس کے کام میں ہاتھ نہیں بٹاتے (۲) چین کے ہرن کو۔

یہی حال ہمارا ہے کہ ہم کو اس کا خیال نہیں کہ ہمارا منہ کس کے ہاتھ میں ہے کیونکہ اصل میں منہ سے کھانا قلب (۱) کے قبضہ میں ہے۔ اگر دل میں تقاضا نہ ہوتا تو کھانا محال ہو جاتا اور دل خدا کے قبضہ ہے تو یہ خدا تعالیٰ کی اعانت (۲) ہے کہ انہوں نے روزہ کے اندر آپ کے دل سے کھانے پینے کا تقاضا نکال دیا اگر وہ یہ تقاضا نہ نکالتے تو آپ کی مجال تھی کہ روزہ رکھ لیتے؟ بس ہماری مثال ایسی ہے جیسے قلم ناز کرنے لگے کہ میں نے ایسا لکھا اور میں ایسا خوش تحریر ہوں اور نادان یہ نہیں دیکھتا کہ وہ خود کس کے قبضہ میں ہے ۔

اے قلم بنگر گر اجلانیستی درمیان اصبعین کیستی

''اے قلم دیکھ کہ تو کس کی انگلیوں کے درمیان میں ہے''

یہ خدا کی رحمت ہے کہ دل کے واسطے لغت بھی ملہم (۳) ہے دل کو قلب اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہ الٹ پلٹ ہوتا رہتا ہے ایک تنکا ہمارے ہاتھ میں ہو اور آندھی میں ثابت قدم (۴) رہے اور اس ثبات پر نازاں ہو تو اس کی حماقت ہے کیونکہ چھوڑ دینے کے بعد وہ کہیں سے کہیں ہوگا۔ پس اب جو لوگ اپنی ثابت قدمی پر نازاں (۵) ہیں وہ گریباں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ یہ ثابت قدمی اور استقلال اور پابندیٔ اوقات اور ضبط معمولات کس کی بدولت ہے یہ محض خدا کا لطف ہے کہ انہوں نے آپ کے دل میں تقاضا پیدا کر دیا ہے ورنہ کچھ بھی نہ ہوسکتا۔ اسی لئے حق تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کے دل کو تقویت دی ہم نے آپ کو ثابت قدم رکھا اور یہ بھی ایک دلیل ہے قرآن کی

---

(۱) دل (۲) مدد (۳) دل کو جو قلب کہتے ہیں وہ بھی اللہ کا الہام کردہ ہے جس کی وجہ یہ ہے (۴) ہوا کے زور سے اِدھر اُدھر نہ اڑے (۵) جو لوگ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہم ثابت قدم رہے۔

حقانیت کی ورنہ بشر اپنے کلام میں ضرور لچتا ہے (وہ کسی سے ضرور دبتا اور متاثر ہوتا ہے) اور قرآن کریم کو دیکھ کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس کا متکلم کسی سے نہیں دبتا اس پر کسی کا اثر نہیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو بے دھڑک ارشاد ہے ﴿وَلَـــــوْلاَ اَنْ ثَبَّتْـنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلاً﴾ (۱) اور یہ بات اگرچہ بہت ہی ڈر کی بات ہے کہ قلوب خدا کے قبضہ میں ہیں معلوم نہیں کدھر پھیر دیں مگر غور کرنے سے اس میں ایک لطیف بات نکلتی ہے وہ یہ کہ حقیقت میں یہی بڑی رحمت ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو اپنے ہی قبضہ میں رکھا ہمارے قبضہ میں نہیں دیا۔ کیا بچہ کے لئے ماں کی گود میں رہنا رحمت نہیں؟ بیشک رحمت ہے ورنہ معلوم نہیں کہاں پہنچ کر ہلاک ہو۔ اسی طرح ہمارے اندر علم کامل نہیں ہم کو اپنی جان کے ساتھ رحمت کامل نہیں اگر ہم کو ہمارے اختیار پر چھوڑ دیا جاتا تو نہ معلوم ہم اپنے کو کہاں لیجا کر برباد کرتے۔ اگر تین چار برس کا بچہ یہ تمنا کرے کہ میں آزاد ہوتا تو خوب کھاتا پیتا یہ اس کی جہالت ہے۔ اگر باپ اس کو آزاد کردے تو حقیقت معلوم ہوجائے۔

صاحبو! دوسرے کے قبضہ میں ہونا جب مضر ہے (۲) جب کہ قبضہ والا رحیم وشفیق نہ ہو اگر قابض رحیم وشفیق ہو تو پھر دوسرے ہی کے قبضہ میں رہنا مفید ہوتا ہے

صاحبو! اگر قلوب خدا کے قبضہ میں نہ ہوتے اور وہ روزہ کی حالت میں دل سے کھانے پینے کا تقاضا نہ نکالتے تو روزہ رکھنا دشوار ہوجاتا یہ خدا کی رحمت ہے کہ اس نے کھانے پینے کی خواہش ہمارے دل سے نکال دی پس متقی ناز نہ کرے کہ میں متقی ہوں، صاحب تم متقی بنائے گئے ہو ورنہ کیا مجال تھی غرض یہ محض خدا کا فضل ہے کہ اس نے قلوب اپنے قبضہ میں رکھے جس سے ہمارے تقویٰ کا نام روشن ہے۔ اب اس حقیقت پر نظر کرکے معلوم ہوگا کہ سارا کام اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں۔

---

(۱) اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جاپہنچتے۔ سورۃ الاسرا: ۷۴ (۲) نقصان دہ ہے۔

ادائیگیٔ فرض پر انعام

صاحبو! ایسی مثال آپ کو مخلوق میں نہیں مل سکتی کہ کوئی سارے کام میں اول سے اخیر تک آپ کی امداد کرے پھر اس پر انعام بھی دے یوں تو ہر کام میں ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے انجام پاتا ہے مگر روزہ میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اپنی امداد واعانت کو ظاہر فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَایُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ﴾ دوسرے جملہ کے معنی یہ ہیں کہ ''یُرِیْدُ بِکُمُ الْیُسْرَ'' کیونکہ ''یُرِیْدُ بِکُمُ الْیُسْرَ'' کے بعد اس کا آنا اسی بات کو چاہتا ہے کہ یہ بمنزلہ تاکید کے ہے اور تاکید یسر یہی ہے کہ عسر رفع ہوجائے کیونکہ ہر وجودی شے کا تحقق ثبوت شرائط پر جس طرح موقوف ہے اسی طرح رفع موانع پر بھی موقوف ہے (۱) اسی وجہ سے ''یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ'' میں امر وجودی (۲) کو بیان کیا گیا۔ ''وَلَایُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ'' میں امر عدمی یعنی ارتفاع اضداد و موانع (۳) کو بیان کیا گیا پس ''وَلَایُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْر'' سے ''یرید بکم عدم العسر'' کا مفہوم ہونا ایسا ہے جیسا ﴿اِنَّ اللّٰہ لَا یُحِبُّ الْکَافِرِیْنَ﴾ سے ''یبغض الکافرین'' (۴) کا مراد ہونا۔ ترجمہ ان دو جملوں کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ میں تم کو آسانی دینا اور تنگی کو رفع کرنا چاہتے ہیں۔

تفسیری نکتہ

اس کے بعد ارشاد ہے ﴿وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾ اس جملہ میں ایک عجیب بات غور کرنے کی ہے وہ یہ کہ اس میں واوَ عطف کا ہے اور لام غایت کا ہے واوَ

(۱) ہر موجود چیز کے وجود کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ایک اس کی موجود ہونے کے شرائط پائی جائیں دوسرے اس کے موجود ہونے میں جو رکاوٹیں ہوں ان کو دور کردیا جائے (۲) وجود کی شرائط (۳) رکاوٹوں کے دور ہونے کو بیان کیا (۴) اللہ کافروں سے محبت نہیں رکھتے کہہ کر بتادیا کہ اللہ کافروں سے بغض رکھتے ہیں۔

عطف معطوف علیہ کو چاہتا ہے اور لامِ غایت عامل کو چاہتا ہے پس یہاں دو تقدیریں ہیں ایک لتکملوا العدة کا عامل دوسرا اس عامل کا معطوف علیہ پس عامل یہ ہے یسر بکم جو "یرید الله بکم الیسر" سے مفہوم ہوتا ہے اور معطوف علیہ یہ ہے کہ شَرَعَ بِکُمُ الْاَحْکَامُ الْمَذْکُوْرَةَ جو اوپر کی آیتوں سے مفہوم ہے مشہور توجیہ یہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے روزہ کو مشروع کیا اور اس کے احکام میں سہولت کی رعایت کی تا کہ تم ایک مہینہ کی شمار پوری کرلو کیونکہ اس شمار کے پورا کرنے میں تمہارے واسطے منافع ہیں اس سے یہ لازم آیا کہ اکمالِ عدت (۱) مقصود ہے کیونکہ اس پر لامِ غایت داخل ہوا ہے اور ہر کام میں غایت زیادہ مطمح نظر (۲) ہوتی ہے کیونکہ وہ مقصود ہے مگر اس تقدیر مشہور میں صرف اکمال عدت کی مقصودیت ثابت ہوئی یُسر کی مقصودیت ثابت نہ ہوئی حالانکہ ظاہراً اثباتِ یُسر زیادہ مہتم بالشان (۳) معلوم ہوتا ہے اس لئے دوسری توجیہ یہ ہے کہ "یرید الله بکم الیسر" کو قوت میں اسی جملہ کے کیا جاوے کہ "یرید بکم الیسر" اور اس کا عامل "شرع" الخ کو کہا جاوے پس کلام کا حاصل یہ ہوگا کہ "شرع الله لکم ماذکر لیرید بکم الیسر ولیرفع عنکم العسر ولتکملوا العدة" کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کے احکام مذکورہ کو اس لئے مشروع کیا کہ وہ تم کو آسانی دینا اور تنگی رفع کرنا چاہتے ہیں اور اس لئے مشروع کیا تا کہ تم شمار کو پورا کرلو۔ اس صورت میں دو مقصود ہوئے ایک یسر کہ اول مذکور ہونے کے سبب اصلی مقصود ہوا اور دوسرا اکمالِ عدت کہ تأخر فی الذکر (۴) دوسرے درجہ میں مقصود ہوا کیونکہ عادت یہی ہے کہ اگر کوئی عارض نہ ہو تو اہم کو ذکر میں مقدم رکھتے ہیں پس آسانی اسی توجیہ پر غایت درجہ کی آیت کی مدلول ہوگی کیونکہ مدخول لام ہونے کا سبب وہ خود بھی مقصود ہوگی اگر چہ ثواب قرب و رضا مقصود المقصود ہے مگر آسانی

(۱) گنتی پوری کرنا (۲) پیش نظر (۳) زیادہ قابل اہتمام ہے (۴) ذکر میں مؤخر کرنے کی وجہ سے۔

بھی فی نفسہٖ مقصود ہوگی اس تقدیر پر صرف عامل مقدر ہوگا باقی معطوف علیہ ظاہر ہوگا اس لئے یہی اولیٰ ہے اور ہر حال میں یسر ثابت ہے۔

نتائجِ یُسر

اب اس ثبات یسر پر جو نتائج مرتب ہوتے ہیں ان کو بیان کرتا ہوں اول یہ کہ بے روزوں کو شرم کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تو صاف وعدہ فرماتے ہیں کہ ہم روزوں میں تم کو آسانی دینا چاہتے ہیں تنگی کو رفع کرنا چاہتے ہیں' اور یہ لوگ روزہ میں دشواری ظاہر کر کے ناحقیقت شناس مخالفین(۱) کو فرمانِ خداوندی پر ظاہرا اعتراض کا موقع دیتے ہیں۔ ارے ظالمو! تم نے روزہ رکھ کر تو دیکھا ہوتا اس کے بعد ہی اس کو دشوار(۲) کہا ہوتا سب سے اول تو روزہ میں روحانی یسر آپ کو عطا ہوتا کہ اس سے دلچسپی ہوجاتی پھر جسمانی یسر بھی حاصل ہوتا۔ غرض اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتے ہیں کہ ہم روزہ کو آسان کردیں گے اور مراد کا ارادہ الٰہیہ تخلف ہو نہیں سکتا تو یہ مراد یقیناً متحقق ہوگی۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کانپور میں ایک شخص نے چالیس ۴۰ سال تک روزہ نہیں رکھا تھا میں نے ان سے کہا کہ یہ تو بہت آسان چیز ہے تم رکھ کر تو دیکھو پھر چاہے رکھنے کے بعد درمیان میں دشواری معلوم ہوگی توڑ دینا انہوں نے رکھا اور روزہ پورا ہوگیا تو بعد میں اقرار کیا کہ واقعی بہت آسان چیز ہے پھر رکھنے لگے یہ روزہ کی خاصیت ہے کہ اس میں ترکِ طعام وشرب(۳) آسان ہوجاتا ہے۔

روزہ اور فاقہ میں فرق

اگر کوئی بدون نیت صوم کے دن بھر بھوکا پیاسا رہنا چاہے تو بہت دشوار ہے مگر نیت کے بعد آسان ہوجاتا ہے۔

---

(۱) حقیقت سے ناواقف مخالفین کو (۲) مشکل (۳) آسان ہوجاتا ہے۔

ان دونوں صورتوں میں وجہ فرق صرف یہی ہے کہ پہلی صورت میں صوم (۱) نہیں اور دوسری صورت میں صوم ہے شاید کسی کو یہاں یہ شبہ ہو کہ روزہ میں تو پاس ہوگیا کہ اب شام تک کھا پی نہیں سکتے اس لئے آسان ہوگیا اور بدون نیت کے امساک عن الطعام (۲) اختیاری ہوتا ہے اس لئے صبر نہیں آتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے مگر ایک دوسرا طبعی قاعدہ اس کے معارض (۳) ہے وہ یہ کہ امر کے بعد کام دشوار ہوجاتا ہے اور آزادی میں تکلیف نہیں ہوتی دوسرے وہاں بھی یہ فرض کرلیا جائے کہ کھانے پینے سے کوئی مانع قوی موجود ہو مثلاً طبیب نے کھانے پینے سے منع کردیا ہو تو باوجود صبر آجانے کے پھر بھی روزہ کی برابر فاقہ میں سہولت نہیں ہوتی۔ اس پر شاید یوں کہا جائے کہ مخلوق کا منع کرنا خالق کے منع کرنے کے برابر تھوڑا ہی ہے اس لئے وہاں صبر نہیں آتا اور یہاں آجاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فرق خدا ہی کے امر (۴) کی وجہ سے تو ہوا پس ہمارا مدعا ثابت ہوگیا کہ روزہ کو اللہ تعالیٰ آسان کردیتے ہیں گو اس کی یہی صورت ہوئی کہ روزہ دار کے دل میں روزہ کی عظمت پیدا کر کے اس کو صبر دے دیا۔ بہرحال روزہ بہت آسان ہے اب جو لوگ روزہ نہیں رکھتے ان کی کم ہمتی پر افسوس ہے کہ ایسا کام بھی ان سے نہیں ہوتا جس کے آسان کردینے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے اور مشاہدہ بھی کرادیا۔

آیت کا مطلب

اب آیت کا مطلب سنئے۔ حاصل آیت کا یہ ہوا "شَرَعَ اللّٰهُ لَكُمُ الصَّوْمَ لِلْيُسْرِ وَاِكْمَالِ الْعِدَّةِ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدَاكُمْ "جس

(۱) پہلی صورت میں روزہ نہیں دوسری میں روزہ ہے (۲) کھانے سے رکنا اختیاری ہے (۳) دوسرا قاعدہ اس کے خلاف ہے (۴) خدا کے حکم کی وجہ سے ہے۔

میں متعدد غایات ہیں اور ایک غایت پر دوسری غایت مرتب چلی آتی ہے اس میں خدا تعالیٰ کی ایک نعمت تو یہ ہے کہ روزہ کو مشروع کیا ورنہ ہم کیسے رکھتے۔ دوسرے یہ کہ اس کو آسان کر دیا۔ تیسرے یہ کہ احکام میں ایسی رعایت فرمائی جس سے شمار کا پورا کرنا آسان ہوگا' اس کے بعد خدا تعالیٰ کی عظمت دل میں آتی ہے تو اس پر خدا کی تکبیر کہو گے یہ چوتھی نعمت ہے۔

گناہ کی نحوست

اب اس کا دشوار ہونا ایسا ہے جیسا ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میاں ''لا الٰــہ الا اللّٰـہ '' سے زیادہ کیا چیز آسان ہوگی مگر کفار کے لئے یہ سب سے زیادہ دشوار ہے(۱) تو اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جن لوگوں کو آسان ہے وہ خدا تعالیٰ کا فضل ہی ہے ورنہ ہم لوگ اپنی قوت سے کوئی کام نہیں کر سکتے جب تک اللہ تعالیٰ اس کو آسان نہ کر دیں۔ عوارف میں ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ کسی زمانہ میں ان کی زبان سے کوئی کلمہ نہ نکلا اور سب باتیں کر سکتے مگر ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' نہ کہہ سکتے تھے یہ حالت دیکھ کر لرز (۲) گئے' جناب باری میں دعا کی کہ یہ میرے کس گناہ کی سزا ہے مجھے بتلایا جائے' الہام ہوا کہ فلاں زمانہ میں تم نے فلاں کلمہ کہا تھا اور اب تک اس سے استغفار نہیں کیا اس لئے آج اتنے برس کے بعد ہم نے اس کی سزا دی' یہ فوراً سجدہ میں گر پڑے اور توبہ کی تو فوراً زبان کھل گئی۔ اسی واقعہ سے سمجھنا چاہئیے کہ کبھی طاعت کی دشواری کا سبب دوسرے معاصی بھی ہو جاتے ہیں (۳) اس کا علاج توبہ و استغفار ہے کبھی دشواری کا سبب وحشت

(۱) مشکل (۲) کانپ گئے (۳) کبھی کسی نیکی کے کرنے میں جو مشکل پیش آتی ہے اس کا سبب دوسرے گناہ ہوتے ہیں۔

بھی ہوتی ہے کہ ذکراللہ سے وحشت ہو۔ وحشت کی وجہ سے اللہ اللہ نہ کہہ سکے آپ بہت لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ بہت وقت بیکار ضائع کرتے ہیں مگر ذکراللہ کے لئے ان کی زبان نہیں اٹھتی اس سبب کا سبب بھی وہی معصیت (۱) ہے کہ اسکی وجہ سے ان کے دل کو ذکراللہ سے وحشت ہوتی ہے اسی کو ایک شاعر کہتا ہے ۔

اَحَبُّ مُنَاجَاةِ الْحَبِيْبِ بِاَوْجهٍ وَلٰكِنَّ لِسَانُ الْمُذْنِبِيْنَ كَلِيْل

''دوست سے سرگوشی کرنے کے کئی طریقے ہیں لیکن نافرمانوں کی زبان نہیں چلتی''

قبولیت توبہ کی علامت

اسی واسطے بے ضرورت گناہوں کو یاد کرنا اپنے ہاتھوں وحشت کا سامان کرنا ہے اسی کے متعلق شیخ ابن عربی نے لکھا ہے کہ گناہ معاف ہوجانے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ گناہ دل سے مٹ جائے اور جب تک وہ مٹے گا نہیں قلب پر وحشت سوار رہے گی۔ جو اس گناہ کی سزا ہے اس کی شرح میں مشائخ طریق کا ارشاد ہے کہ گناہ کے بعد جی بھر کے توبہ کرے پھر اس کو جان جان کر یاد نہ کرے اس سے بندہ اور خدا کے درمیان ایک حجاب سا معلوم ہونے لگتا ہے جو محبت اور ترقی سے مانع (۲) ہے ایسی ہی دو دوستوں میں کچھ رنجش ہوجائے پھر صفائی کے بعد اس کو بار بار یاد نہ کرے۔ غرض توبہ کے لئے تو گناہ کو یاد کرے مگر توبہ کے بعد پھر اس کو یاد نہ کرے بلکہ دل سے نکال دے ورنہ اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے ایک شخص کو تحصیلداری مل جائے اور وہ روز روز اپنے افسر سے یوں کہے آپ مجھے برخاست تو نہیں کریں گے ظاہر ہے کہ اس حرکت سے افسر کا دل ضرور افسردہ ہوگا اور پہلے خود اس کا دل افسردہ ہوگا جب ہی تو اس کی زبان سے بار بار یہ کلمہ نکلتا ہے پس حق تعالیٰ تو تاثر سے بری ہیں

(۱) گناہ (۲) رکاوٹ۔

مگر تم متاثر ہوگے جب تم بار بار گناہ کو یاد کر کے دل کو افسردہ کر لوگے اور محبت میں ترقی نہ کر سکو گے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ وہاں سے بھی عطا میں کمی ہوگی کیونکہ جزا و ثمرات کا ترتب عمل (۱) پر ہوتا ہے خواہ عملِ جوارح ہو یا عملِ قلب ہو خوب سمجھ لو۔

لطیفہ

گناہوں کے یاد کرنے پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا۔ حاجی عبدالرحیم صاحب سہارنپوری ایک قصہ بیان فرماتے تھے کہ حج کے موسم میں ایک شخص جمرہ عقبہ پر بجائے کنکریوں کے جوتے مار رہا تھا اور کہتا جا رہا تھا کہ مردود شیطان تو نے مجھ سے فلاں دن یہ گناہ کرایا یہ کہتا جاتا اور جوتے مارتا جاتا تھا یہ حرکت بہت بری تھی ایک تو گناہوں کا یاد کرنا پھر ان کو ظاہر کرنا۔ بعض لوگ توبہ کر کے ڈرتے رہتے ہیں کہ مبادا توبہ ٹوٹ جائے۔ یہ فکر بھی اچھی نہیں مولانا اس کو بھی حجاب فرماتے ہیں ع

ماضی و مستقبلت پردۂ خدا ست

"تیرا ماضی و مستقبل خدا کے پردے میں ہے"

یہ خوف بھی چھوڑ دینا چاہئیے صفائی کے وقت کدورتوں کو یاد نہ کرنا چاہئیے اس سے کبھی ایسی وحشت سوار ہوتی ہے کہ ذکر اللہ بھی نہیں کر سکتے لیکن اگر از خود یہ چیزیں یاد آجائیں تو پھر تجدید استغفار و دعا ضروری ہے۔ یہ تو ذکر نہ کر سکنے کا وہ سبب تھا جو اکثری ہے۔

آثارِ غایتِ قرب

اور کبھی ذکر نہ کر سکنے کا سبب کسی حالتِ محمودہ کا غلبہ بھی ہوتا ہے چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا واقعہ ہے کہ جس زمانہ میں وہ حضرت حاجی

(۱) جزاء اور ثمرات ہمیشہ عمل کرنے پر ملتے ہیں چاہے دل کا عمل ہو یا اعضاء کا۔

صاحبؒ قدس سرہٗ کی خدمت میں ذکر وشغل کے لئے مقیم تھے اس وقت اور سب حضرات اپنا اپنا حال حضرت حاجی صاحبؒ سے عرض کرتے تھے مگر مولانا کچھ عرض نہ کرتے تھے تو ایک دن حاجی صاحب نے خود فرمایا کہ مولانا سب لوگ اپنی اپنی حالت بیان کرتے ہیں آپ کچھ نہیں کہتے۔ اس پر مولانا نے آبدیدہ ہوکر عرض کیا کہ حضرت میں کیا حال عرض کروں مجھ سے تو وہ کام بھی پورا نہیں ہوتا جو حضرت نے بتلا رکھا ہے بس ذکر کرنے بیٹھتا ہوں ایسا بوجھ طاری ہوتا ہے کہ زبان وقلب دونوں بند ہوجاتے ہیں حضرت کے فیض میں تو کمی نہیں مگر میری ہی کم نصیبی ہے۔

تہیدستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

''قسمت کے بروں کو کامل رہنما سے بھی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ خضر سکندر کو آبِ حیات کے چشمہ سے بھی خالی واپس لایا تھا''

حاجی صاحب نے اس حال کو سنتے ہی فرمایا کہ مولانا مبارک ہو یہ علوم نبوت کا ثقل (۱) ہے جو آپ کو عطا ہونے والے ہیں اور یہ اسی ثقل کا نمونہ ہے جو نزولِ وحی کے وقت رسول اللہ ﷺ پر ہوتا تھا اس وقت زبان کا ذکر سے بند ہوجانا غایتِ قرب کی وجہ سے ہے جس کو شاعر کہتا ہے۔

سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آجائے ہے تھامتا ہوں دل کو پر ہاتھوں سے نکال جائے ہے

حاجی امداداللہ صاحبؒ کا درجۂ بلند

اور جب دل کی یہ حالت ہوتی ہے تو زبان بھی نہیں اُٹھتی۔ اس واقعہ سے حضرت حاجی صاحبؒ کا شیخ و مجتہد اور مجدد فن ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے یہ تشخیص ایسے وقت فرمائی جبکہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے علوم کا ظہور

(۱) بوجھ۔

بھی نہ ہوا تھا بعد میں حاجی صاحب کے ارشاد کی تصدیق ظاہر ہوئی۔ اور اگر حاجی صاحبؒ یہ تشخیص نہ فرماتے تو مولانا تو اس حالت کو بُعد ہی سے ناشی سمجھتے رہتے حاجی صاحبؒ ہی کا کام تھا کہ ایسے ایسے جلیل القدر علماء کو سنبھالتے تھے۔

مشاہدۂ حق کا ظہور

دوسرا قصہ حضرت شیر خاں صاحبؒ کا ہے جو میاں جی صاحبؒ کے خدام میں تھے جب ان کا انتقال ہونے لگا نزع کی حالت شروع ہوئی تو لوگوں نے ان کو کلمہ طیبہ تلقین کیا وہ اس سے منہ پھیر لیتے تھے یہ حالت دیکھ کر لوگ گھبرا گئے اور میاں جی صاحبؒ کو بلایا میاں جی صاحب نے پوچھا کہ شیر خاں کیا حالت ہے؟ فرمایا الحمدللہ اچھا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں کو منع کر دیجئے کہ مجھے مسمّٰی (۱) سے اسم کی طرف متوجہ نہ کریں حضرت میاں جی صاحب نے لوگوں سے کہا کہ ان کو پریشان نہ کرو یہ مشاہدۂ مسمّٰی میں مستغرق (۲) ہیں تم ان کو مسمّٰی سے اسم کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہو سچ ہے ۔

درنیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

''اگر ایک خام کسی پختہ کا حال معلوم نہ کر سکے تو بات کم کر دینی چاہیئے''۔

حاجی صاحبؒ کے مریدانِ کامل

کامل کی حالت کا ناقص کو علم نہیں ہوسکتا انبیٹھہ میں حضرت حاجی صاحب کے ایک مرید تھے اور ان کے بڑے بھائی خاندان نقشبندیہ کے شیخ تھے وہ ان سے کہا کرتے تھے کہ تم مجھ سے بھی کچھ حاصل کر لو ورنہ پچھتاؤ گے وہ جواب دے دیا

(۱) یہ مجھے کلمہ طیبہ پڑھوانا چاہتے ہیں میں تو ذات خدا کی طرف متوجہ ہوں یہ اسم خدا کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں ان کو منع کر دیجئے (۲) یہ مشاہدہ حق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

کرتے میرے شیخ مجھے کافی ہیں مجھے کسی سے رجوع کی حاجت نہیں اتفاق سے ان چھوٹے بھائی کا انتقال ہونے لگا تو ان کی بھی یہی حالت ہوئی جو شیر خاں صاحبؒ کی حالت تھی کہ لوگ ان کو کلمہ پڑھانا چاہتے تھے اور یہ نہیں پڑھتے تھے اس کی اطلاع بڑے بھائی کو ہوئی وہ آئے اور ان سے کہنے لگے کہ میں تم سے نہ کہتا تھا کہ مجھ سے کچھ حاصل کر لو مگر تم نے نہ مانا دیکھا اب کیا حالت ہے کہ کلمہ بھی نہیں پڑھ سکتے اس پر انہوں نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور بڑے جوش میں یہ آیت پڑھی ﴿یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ﴾(۱) حالانکہ یہ شخص ترجمہ قرآن سے واقف نہ تھے اس وقت اس کی زبان سے اس آیت کا نکلنا صاف اس کی دلیل تھی کہ غیب سے اس کی زبان پر یہ آیت جاری کی گئی ہے یہ جواب سن کر وہ شیخ شرمندہ ہوگئے اور حاجی صاحبؒ کے سلسلہ والوں کو خاص مسرت ہوئی۔ بہرحال کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ غایتِ قرب کی وجہ سے زبان ذکر سے بند ہو جاتی ہے اس لئے نزع کی حالت میں کوئی مسلمان اگر کلمہ نہ پڑھے تو اس سے بدگمان نہ ہونا چاہئے ممکن ہے اس کی وجہ غایتِ قرب ہو۔

طاعتِ پدری

اور کبھی گناہ کی وجہ سے بھی طاعات بند ہو جاتی ہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّھُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا﴾(۲) اور جیسے گناہوں میں یہ اثر

(۱) کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کر دیا۔ سورۃ یٰسٓ: ۲۶،۲۷۔ (۲) یقیناً تم میں جن لوگوں نے پشت پھیر دی تھی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں، اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی ان کے بعض اعمال کے سبب سے۔ سورۃ آل عمران: ۱۵۵۔

ہے کہ طاعات کو بند کر دیتے ہیں ایسے ہی طاعات میں یہ بھی اثر ہے کہ ان کی وجہ سے دوسری طاعات ہونے لگتی ہیں بلکہ اس کا اثر اولاد میں بھی پہنچتا ہے باپ کی طاعات سے اولاد کو بھی طاعات کی توفیق ہوتی ہے مگر گناہ کا اثر اولاد میں نہیں پہنچتا ہاں دنیوی تکلیف کچھ پہنچ جاتی ہے۔

طاعات کا فائدہ

طاعات کا یہ بھی اثر ہے کہ ان کی برکت سے گناہ کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے بلکہ بعض دفعہ گناہِ مقدر (بتقدیر معلق) بھی ٹل جاتا ہے چنانچہ حضرت غوث اعظمؒ کا ایک مرید تھا بہت نمازی تہجد گزار پابند ذکر وشغل، اس کو ایک رات میں ستر بار احتلام ہوا وہ بڑا پریشان ہوا کہ یہ کیا مصیبت ہے ساری رات غسل ہی میں گزر گئی نہ تہجد رہا نہ ذکر وشغل صبح کو شیخ سے حالت عرض کی فرمایا کہ تم اس حالت سے مغموم (۱) مت ہو مجھے معلوم ہوا تھا کہ تیری تقدیر میں ستر دفعہ زنا کرنا لکھا ہوا ہے میں نے دعا کی تھی کہ اے اللہ اس بلا سے نجات دیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا سے بیداری کے زنا کو خواب کے زنا کی طرف منتقل فرما دیا ہے جس میں گناہ ہی نہیں ہوا اب تم بے فکر رہو بڑی بلا ٹل گئی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو کچھ ہم ذکر وغیرہ کر رہے ہیں اور آسانی سے کر لیتے ہیں یہ آسانی خدا تعالیٰ کی عطا ہے ورنہ بہت سی مخلوق ایسی بھی ہے جس کو ذکر کی توفیق نہیں اور ان کے لئے یہ کام سب سے زیادہ دشوار ہے اس پر میں نے استطراداً (۲) یہ بھی بتلا دیا تھا کہ بعض دفعہ ذکر سے زبان بند ہونے کا سبب غایت قرب بھی ہوتا ہے۔ بہرحال آپ کو جو کلمہ شریف پڑھنا آسان ہے یہ خدا کی بہت بڑی نعمت ہے ورنہ کبھی یہ بھی بند ہو جاتا ہے۔

(۱) رنجیدہ مت ہو (۲) ضمناً۔

توفیقِ ذکر

اس لئے حضرت حاجی صاحب سے جب کوئی ذاکر یہ عرض کرتا کہ ذکر سے نفع نہیں معلوم ہوتا تو حضرت یہ جواب دیا کرتے کہ یہ تھوڑا نفع ہے کہ خدا کا نام زبان سے نکل رہا ہے اور یہ شعر پڑھتے ؎

یابم او را یا نیابم جستجوئے می کنم حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

''اس کو پاؤں یا نہ پاسکوں جستجو کرتا ہوں حاصل ہو یا نہ ہو آرزو تو کرتا ہوں''

ذاکرین اس جواب کی قدر کریں کیونکہ شیطان ان کو اس قسم کے دھوکے بہت دیا کرتا ہے۔

شیطانی وسوسہ

چنانچہ مثنوی میں ایک ذاکر کا قصہ لکھا ہے کہ ایک رات اس کو شیطان نے بہکایا کہ تم کو ذکر کرتے تہجد پڑھتے برس گزر گئے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ پیام ہے نہ سلام ہے۔

شیطانی وسوسہ کا علاج

جب وہ پوچھتے ہی نہیں تو کیوں سر مارا (۱) یہ وسوسہ آنا تھا کہ اس نے اس رات کا تہجد و ذکر موقوف (۲) کر دیا مگر چونکہ خدا کا محبوب بن چکا تھا گو خود اسے اپنی حالت کی خبر نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی کہ خواب میں ایک لطیفہ غیبی (۳) نے آکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال کیا آج تم نے ہم کو کیوں بھلا دیا اس نے وہی جواب دیا جو شیطان نے پڑھایا تھا کہ آپ کو یاد کرتے کرتے برس گزر گئے جب آپ نے خبر ہی نہ لی تو میں نے سوچا کہ مجھے ہی سر مارنے کی کیا

(۱) پھر کیوں محنت کی جائے (۲) رات کو تہجد پڑھنا اور ذکر کرنا چھوڑ دیا (۳) کسی فرشتہ وغیرہ نے۔

ضرورت ہے لطیفہ غیبی نے جواب دیا ۔

گفت آں اللہ تو لبیک ماست ویں نیاز وسوز وردت پیک ماست

''کہ میاں ایک بار اللہ کہہ کر جو تم کو دوبارہ اللہ کہنے کی توفیق ہوگئی تو یہی ہمارا جواب ہے اگر پہلا ذکر قبول نہ ہوتا تو ہم زبان کو ذکر سے بند کردیتے''۔

قبولیتِ نماز کی دلیل

حضرت حاجی صاحبؒ نے اس کو خوب روشن کر کے بیان فرمایا اگر ایک حاضری میں بادشاہ ناراض ہوجائے تو کیا دوسری بار وہ دربار میں گھسنے دے گا ہرگز نہیں پس جب تم ایک مرتبہ نماز کے لئے مسجد میں آگئے اس کے بعد پھر توفیق ہوئی تو سمجھ لو کہ پہلی نماز قبول ہوگئی اور تم مقبول ہو' مردود ہوتے تو دوبارہ مسجد میں گھسنے نہ دیتے کیونکہ ایسی بھی خدا کی مخلوق بہت ہے جو مسجد سے روک دی گئی ہے چنانچہ ایک قصائی کا بچھڑا مسجد میں گھس گیا تھا مسجد کا ملّا جھلانے لگا کہ لوگ جانوروں کو مسجد میں چھوڑ دیتے ہیں تو وہ قصائی کہنے لگا ارے ملّا اتنا خفا کیوں ہوتا ہے یہ تو بیوقوف جانور تھا جو مسجد میں چلا آیا کبھی تو نے ہمیں بھی مسجد میں آتا ہوا دیکھا ہے۔

ایک اور واقعہ کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک آقا بے نماز تھا اور غلام نمازی تھا دونوں بازار میں جارہے تھے کہ نماز کا وقت آگیا غلام نے آقا سے اجازت مانگی کہ میں ذرا نماز پڑھ آؤں آپ تھوری دیر ٹھہریں آقا صاحب مسجد کے باہر بیٹھ گئے وہ اندر جا کر نماز میں مشغول ہوا پھر وظیفہ پڑھنے لگا جب سب نمازی چلے گئے اور بہت دیر ہوگئی تو آقا نے باہر ہی سے آواز دی کہ میاں کہاں رہ گئے آتے کیوں نہیں؟ غلام نے جواب دیا کہ آنے نہیں دیتا آقا نے کہا کون نہیں آنے دیتا کہا جو تم کو اندر نہیں آنے دیتا وہ مجھ کو باہر نہیں آنے دیتا۔

عبدیت وتفویض

حضرت جو کچھ آپ سے نماز روز ہو جاتا ہے یہ سب انہیں کا کرایا ہوا ہے اگر وہ توفیق نہ دیں تو سب کام رہ جائے قرآن میں ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ اَرَادُوْا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾ (۱) کہ اللہ تعالیٰ نے غزوہ تبوک میں منافقین کا جانا نہ چاہا تو وہ اس کا سامان بھی نہ کر سکے بلکہ ارادہ بھی نہ کر سکے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ ارادہ کر لیتے اور سامان بھی کرتے پس تم اپنی سعی پر ناز نہ کرو بلکہ تفویض سے کام لو۔

مسئلہ تقدیر میں غوروخوض سے احتراز کرو

مگر تقدیر کے مسئلہ میں زیادہ غوروخوض بھی نہ کرو اور میں نے جتنا بھی اس کے متعلق بیان کیا ہے محض اس ضرورت سے بیان کیا ہے کہ اپنے علم وعمل پر ناز نہ ہو کہ بندہ کے کسب واختیار کی نفی کرنے کے لئے حضرات صحابہ جب ایسے واقعات سے گھبرائے تو حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم کیا کریں؟ حضورؐ نے فرمایا: (قُوْلُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ) (۲) بس خدا پر نظر رکھو اور تفویض سے کام لو۔

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست — آنجا جز ایں کہ جاں بسپارند چارہ نیست (۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ اگر آسمان کمان ہو اور حوادث تیر ہوں اور اللہ تعالیٰ تیر چلانے والے ہوں تو ان سے کیوں کر بچا جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ تیر چلانے والے کے پاس کھڑا ہو جائے بچا رہے گا کیونکہ

(۱) اور اگر وہ لوگ چلنے کا ارادہ کرتے تو اس کا کچھ سامان تو درست کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے جانے کو پسند نہیں کیا اس لئے ان کو توفیق نہیں دی اور یوں کہہ دیا گیا کہ اپاہج لوگوں کے ساتھ تم بھی یہاں ہی بیٹھ رہو سورۃ توبہ: ۴۶ (۲) کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ ہم کو کافی ہے وہی بہت اچھا محافظ ہے (۳) عشق کا سمندر ایسا ہے کہ جس کا کنارہ نہیں ہے جو اس میں اترے اس کے لئے محبوب کو جان سپرد کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔

تیر دور والے پر چلتا ہے نہ کہ پاس والے پر۔ افلاطون اسی جواب سے دنگ رہ گیا اور کہا یہ جواب نبی کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ پس اس میں غور وخوض نہ کرو غور کرنے سے یہ مسئلہ اور پیچیدہ ہوگا ۔

فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ　　جز شکستہ مے نہ گیرد فضل شاہ (۱)

تفویض کا فائدہ

اگر اس مسئلہ میں شفا چاہتے ہو تو عبدیت اور تفویض اختیار کرو اسی سے انشاء اللہ تسلی ہوجائے گی عقل کو تو بہت آزمالیا اب خدا کے حوالہ کر کے دیکھو مولانا فرماتے ہیں:

آزمودم عقل دور اندیش را　　بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

''میں نے اپنی دور اندیش عقل کو آزمالیا ہے اور اسی وجہ سے اب اپنے آپ کو دیوانہ بنالیا ہے''۔

حضرت بہت سے واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ تمام تدبیریں ختم ہوجاتی ہیں اور کام نہیں چلتا پس گرہ (۲) اس وقت کھلتی ہے جب بندہ یوں کہتا ہے کے اے اللہ آپ ہی اس کام کو پورا کریں گے میں عاجز ودرماندہ ہوں۔ پس خوب سمجھ لو! یہ تیسیر (۳) بھی بڑی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کام کو ہمارے لئے آسان کردیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں ﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ﴾ میں ہم کو اس نعمت پر متنبہ فرمایا ہے کہ یہ احکام اس واسطے مشروع (۴) کئے ہیں کہ ان کو تمہارے واسطے آسان کردیں اور گنتی پورا کرنے کی توفیق دیں پس تم اس کو دشوار نہ سمجھو اور نہ اس کی فکر کرو کہ تیس ۳۰ دن کیوں کر پورے ہوں گے اس کے بعد ارشاد ہے ﴿وَلِتُکَبِّرُوْا

(۱) عقل کو تیز کرنے سے کچھ نہیں بنتا شکستہ دل خدا کے فضل سے بہرہ یاب ہوتے ہیں (۲) رکاوٹ اس وقت دور ہوتی ہے (۳) یہ آسانی بھی بڑی نعمت ہے (۴) مقرر کئے گئے۔

اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ﴾ اور تا کہ ان نعمتوں پر تم خدا کی بڑائی ظاہر کرو‘‘ یہاں اللہ تعالیٰ نے ’’ھَدٰکُمْ ‘‘فرمایا ہے ’’ شَرَعَ لَکُمْ ‘‘ نہیں فرمایا کیونکہ ھَدٰکُمْ سب نعمتوں کو شامل ہے تشریعی نعمتوں کو بھی اور تکوینی نعمتوں (۱) کو بھی اور یہاں دونوں قسم کی نعمتیں مذکور ہوئیں ہیں کیونکہ ’’تیسیر واکمال عدت‘‘ تکوینی نعمتیں ہیں تو ان سب نعمتوں پر جن کا میزان الکل ’’ھداکم‘‘ ہے خدا کی تکبیر کہو پھر یہاں ’’لِتُحَمِّدُوا اللّٰہ‘‘ نہیں بلکہ ’’لتکبروا اللّٰہ‘‘ فرمایا کیونکہ اس سے حادثہ کی وقعت معلوم ہوتی ہے اور حادثہ عظیمہ پر ہمارے اندر تکبیر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے نہ کہ حمد کا۔

قرآن کریم میں جذبات کی رعایت

اور قرآن شریف میں ہمارے محاورات وجذبات کی بہت رعایت کی گئی ہے میں نے اسی قاعدہ سے ایک لڑکی کے سوال کا جواب دیا تھا۔ ایک مرتبہ جب میں گھر کی لڑکیوں کو تفسیر قرآن پڑھا رہا تھا یہ آیت ﴿قَاتَلَهُمُ اللّٰہُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ﴾(۲) ’’خدا ان مدعیانِ اتخاذِ ولد کو برباد کرے کہاں بہکے جارہے ہیں‘‘ تو ایک لڑکی نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کو کوسنے کی ضرورت نہیں مگر اس جگہ کفار کی جیسی حالت وشرارت مذکور ہے اس کو سن کر خود ہماری طبیعت میں کوسنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہمارے جذبات کو دبانا نہیں چاہا بلکہ اس کی رعایت فرما کر خود ہی فرمادیا ’’قاتلھم اللّٰہ ‘‘اگر وہ نہ فرماتے تو ہم قرآن میں خود اس کو نہ بڑھا سکتے تو ہمارا جذبہ دبا رہتا اللہ تعالیٰ نے ہمارے جذبات کو پامال کرنا گوارا نہیں فرمایا بلکہ جو بات ہم کہتے خود ہی ہماری طرف سے فرمادی تا کہ اس کی تلاوت کرنے سے ہمارا جذبہ پورا

(۱) رمضان کے زمانے میں باوجود گرمی کا موسم ہونے کے گرمی نہ ہونا اور رمضان کے سارے روزے صحت و عافیت کے ساتھ رکھنے کی توفیق ہونا وغیرہ (۲) سورۃ توبہ:۳۰۔

ہوجاوے یہ جواب اسی وقت قلب میں القاء ہوا اس سے پہلے میں نے کسی جگہ یہ جواب منقول نہ دیکھا تھا۔

حکیمانہ جواب

اس جواب کی قدر مجھے بعد میں معلوم ہوئی کیونکہ اس سے اور بہت سے اشکالات رفع ہوئے بعض دفعہ اللہ تعالیٰ وقت پر ایسی امداد فرماتے ہیں کہ جس کا پہلے سے گمان بھی نہیں ہوتا چنانچہ ایک بڑی بی نے طاعون کے زمانہ میں ایک بچہ کی زبانی مجھ سے سوال کیا کہ عزرائیل تو ایک ہیں وہ ایک وقت میں اتنی روحیں کیوں کر قبض کر لیتے ہیں میں نے سوچا بچہ جواب کیا سمجھے گا مگر اللہ تعالیٰ نے ایک مثال میرے قلب (۱) میں ڈالدی جس کو بچہ بھی سمجھ کر نقل کر سکتا تھا میں نے کہا اس سے کہنا کبھی تم نے چاول بھی کھائے ہیں دیکھو ایک لقمہ میں ایک دم سے کتنے چاول آجاتے ہیں اور ایک دفعہ منہ میں رکھ لیتی ہو وہ بچہ بھی ہنسنے لگا اور سائلہ کی بھی تسلی ہوگئی۔

نماز عید کی تکبیرات زائد کی حکمت

غرض اس مقام پر ''لِتُکَبِّرُوااللّٰہَ ''(۲) ہمارے جذبات کی رعایت سے فرمایا گیا ہے کہ یہ نعمتیں بڑی ہیں اور بڑی نعمت کو دیکھ کر ہم کو اللہ اکبر کا تقاضا ہوتا ہے نہ الحمدللہ کا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس جذبہ کی ایسی رعایت فرمائی کہ تکبیر کو ہماری رائے پر نہیں چھوڑا بلکہ خود مشروع (۳) کرکے دکھلا دیا چنانچہ عید کے روز تکبیر کہنا ضروری کردیا گیا۔ نماز عید کی ہر رکعت میں تین تکبیریں زیادہ کہی جاتی ہیں یہ تو واجب ہیں اور راستہ میں بھی عیدگاہ کو جاتے ہوئے تکبیر کہنا سنت ہے بعض ائمہ کے نزدیک جہراً

(۱) دل (۲) تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو (۳) بلکہ شریعت میں اسکا حکم دیا۔

اور ہمارے امام کے نزدیک سراً اور عجب نہیں کہ صلوٰۃ عید میں تین تکبیریں اس لئے ہوں کہ ایک بمقابلہ یُسر کے ہے دوسری بمقابلہ رفع عسر کے تیسری بمقابلہ اکمالِ عدت کے (۱)۔

مقامِ شکر

اس کے بعد ارشاد ہے" ولعلکم تشکرون "اور یہ نعمتیں اس لئے تم کو عطا کیں تا کہ تم ان پر شکر کرو۔ اور یہ عجیب نعمت کا بیان ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ" یسر و عدم عسر و اکمال عدۃ و تکبیر"(۲) ان سب پر شکر کرو اور شکر دوسری عبادات کے اعتبار سے تو ان عبادات کے متعلق ہے مگر فی نفسہ (۳) یہ خود بھی مستقل عبادت ہے اس لئے یہ خود بھی مطلوب اور مقصود ہے اس اعتبار سے یہ بھی ایک غایت ہے جس کے لئے یسر و اکمال عدۃ وغیرہ کو عطا کیا گیا۔ پھر چونکہ منعم کی (۴) خاصیت یہ ہے کہ اس سے نعمتوں کا استحضار ہو کر منعم کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے اور محبت کے بعد محبوب سے قرب کا تقاضا ہوتا ہے تو اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے قرب کو بیان فرماتے ہیں ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾ اس تقریر سے تمام آیات و اجزاءِ آیات کا ربط بخوبی ظاہر ہو گیا اور جس طرح ان آیات کی تفسیر آج ذہن میں آئی ہے اس سے پہلے کبھی نہیں آئی۔ آیت "وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ" واذا سلك عبدای "کا ربط پہلی آیت سے مشہور یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو صوم اور تکبیر و شکر وغیرہ کا امر (۵) کیا ہے تو ممکن ہے کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ نہ معلوم خدا تعالیٰ کو ہمارے ان افعال کی بھی خبر ہوتی ہے یا نہیں خصوصًا شکرِ قلب (۶) کی کیونکہ افعال قلبیہ مستور (۷)

(۱) ایک تکبیر اس لئے کہی جاتی ہے کہ اللہ نے روزہ میں آسانی فرمائی کہ بھوک پیاس کا احساس کم ہوتا ہے دوسری اسی لئے کہ تنگی دور کر دی تیسری اس لئے کہ رمضان بھر روزے رکھنے کی توفیق دی (۲) آسانی عدم تنگی گنتی پوری ہو جانا اور توفیق تکبیر سب پر شکر کرو (۳) یہ بذات خود عبادت ہے (۴) انعام کرنے والا (۵) حکم دیا دلی شکر کی (۷) پوشیدہ۔

ہوتے ہیں جن کی اطلاع دنیا میں تو کسی کو نہیں ہوتی اور چونکہ طبیعت انسانیہ قیاس الغائب علی الشاہد (۱) کی عادی ہے اس لئے بعض لوگوں نے سوال بھی کیا ''قریب ربنا فنناجیه ام بعید فننادیه'' (کیا ہمارا پروردگار ہم سے قریب ہے کہ ہم اس سے خفیہ طور پر مناجات کرلیا کریں یا بعید (۲) ہے کہ پکارا کریں) اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی یہ ربط بھی عمدہ ہے مگر ربط اول احسن ہے۔

تکبیراتِ عید اور تکبیراتِ تشریق میں فرق

اور ربطِ مشہور تو اس آیت کا پہلی آیت کے متصل آنا امام ابوحنیفہؒ کے اس قول کی تائید کرتا ہے کہ تکبیر عیدالفطر راستہ میں سراً (۳) ہونا چاہئے جہر کی ضرورت نہیں رہی تکبیر صلوٰۃ تو وہ چونکہ قراءت کے متصل (۴) ہے اور قراءت جہری ہے اس لئے اتصال جہری کی وجہ سے اس میں بھی جہر ہوگیا دوسرے اس میں جہر کی یہ بھی وجہ ہے کہ مقتدیوں کو اعلام (۵) کی ضرورت نہیں رہی تکبیر تشریق کا (۶) جہر خلافِ قیاس نص سے ثابت ہے لقوله صلی الله علیه وسلم: ''الحج والعج والثج وفی تکبیر التشریق تشبیه تلبیة الحاج'' فافهم (۷)۔

اللہ کا بندوں سے خاص تعلق

اور (اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْب) کی بلاغت عجیب قابل دید ہے کہ ''لَقُلْ اِنِّیْ قَرِیْبٌ'' یا ''فَاِنَّهٗ قَرِیْبٌ'' نہیں فرمایا بلکہ بلاواسطہ ''فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ'' فرمایا ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص کسی سے سوال کرے کہ فلاں شخص کہاں ہے اور وہ بول

(۱) غائب کو موجود پر قیاس کرنے کی عادی ہے (۲) دور (۳) آہستہ (۴) قراءت کے ساتھ اور قراءت چونکہ زور سے واجب ہے اس سے یہ بھی زور سے واجب ہے (۵) بتلانے (۶) ایام تشریق میں تکبیر زور سے کہنا حدیث میں ہے (۷) تکبیرات تشریق میں حجاج کے ساتھ مشابہت ہے۔

پڑے کہ میں تو موجود ہوں اور یہ جب ہی ہوگا جبکہ مجیب کو سائل کے ساتھ خاص تعلق ہو اور اگر خاص تعلق نہ ہو تو وہ قریب ہوتے ہوئے بھی خود نہ بولے گا بلکہ جن سے سوال کیا گیا ہے ان سے کہے گا کہ اس سے کہہ دو وہ یہاں موجود ہے اور تعلق کی صورت میں ایسا نہ کریگا خود بول پڑے گا کہ میں تو موجود ہوں اسی طرح یہاں حق تعالیٰ نے خود بلاواسطہ جواب دیا ہے کہ میں تو قریب ہوں حضورؐ سے نہیں فرمایا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں اس میں جس خاص تعلق کو ظاہر کیا گیا ہے اور وہ تعلق ایسی نعمت ہے کہ اس پر ہزار جانیں قربان کردی جائیں تو تھوڑا ہے۔

لسانِ حق

پھر اس جواب کا حضور کی زبان سے ادا ہونا بتلاتا ہے کہ رسول کا بولنا خدا ہی کا بولنا ہے۔

گرچہ قرآں از لب پیغمبر است　　ہر کہ گوید حق نگفت اوکافر است
گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود(۱)

حضور ﷺ میں ایک شان تو مبلغ ہونے کی ہے اور دوسری شان لسانِ حق ہونے کی ہے کہ حضور اللہ تعالیٰ کے لئے بمنزلہ لسان یعنی ترجمان کے ہیں اس عنوان سے گھبرایئے نہیں کیونکہ جب شجرۂ طور لسانِ حق ہوگیا اور اس سے ندا آئی ﴿اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ﴾(۲) تو حضور ﷺ کا لسان حق ہونا تعجب خیز کیوں ہے پھر حدیث میں اہلِ قرب کے لئے آیا ہے (کُنْتُ بَصَرُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ

(۱) قرآن پاک اگرچہ پیغمبر کی زبان سے ادا ہوا مگر اس کا کہا خدا کا کہا ہے بظاہر اگرچہ اللہ کی بجائے اللہ کے بندے کی زبان سے ادا ہورہا ہے (۲) میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کرو۔ سورۃ طٰہٰ:۱۴۔

وَسَمْعُهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَرِجْلُهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا﴾(۱) اور ظاہر ہے کہ حضور ﷺ سے زیادہ مقرب کون ہوگا تو آپ کی یہ شان سب سے زیادہ ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے خلاصہ ان اجزاء مرتبہ کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو دیکھ کر خود بخود آپ کے دل پر شکر کا تقاضا ہوگا کہ آپ کی ہی مصلحت و نفع کے لئے صوم کو مشروع(۲) فرمایا پھر اس میں تشریعاً و تکویناً یسر و عدم عسر(۳) کی رعایت فرمائی تاکہ روزہ کی تکمیل ہوجائے اور تکمیل کے بعد اس نعمت پر تکبیر کہو اور شکر کرو پھر شکر سے محبت پیدا ہوگی اور محبت سے قربِ حق کا تقاضا ہوگا تو اس آیت میں تسلی فرمادی کہ میں تم سے قریب ہوں مجھے تمہارے سب اعمال واقوال کی خبر ہے۔

حقیقتِ عبادت

اور اسی پر بس نہیں بلکہ ﴿أُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ (۴) میں ہر دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرلیتا ہوں۔ یہاں دعا سے مراد عبادت ہے دعائے ظاہری مراد نہیں جیسا آیت: ﴿أُدْعُوْنِیْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ میں بقرینہ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ﴾(۵) یہی عبادت مراد ہے اور عبادت کو دعا سے تعبیر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ بتلا دیا گیا کہ تمہاری عبادت کی حقیقت محض دعا والتجا ہے۔ جیسے کوئی شخص ڈوبتا ہو تو وہ دوسروں کو پکارتا ہے پس آپ کی عبادت کا صرف یہ درجہ ہے اس کے بعد جو کچھ ہے حق تعالیٰ کی عطا وفضل ہے۔ اگر ہم اپنی عبادت پر ناز کرنے لگیں تو اس کی مثال ایسی ہوگی ڈوبنے والے

(۱) میں اس کی آنکھ ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے کان ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کا پاؤں جس سے وہ چلتا ہے (۲) آپ کی مصلحت اور فائدے کے لئے روزہ کو فرض کیا (۳) پھر اس میں شریعت کی طبیعت کی آسانی ہونے کی، تنگی نہ ہونے کی رعایت فرمائی (۴) میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ پکارے (۵) جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں۔ سورۃ المؤمن: ۶۰۔

کی پکار سن کر کسی نے اس کو بچالیا ہو اور وہ ڈوبنے والا اس کے بعد فخر کرنے لگے کہ میں شناور ہوں(۱) ارے تجھے خبر بھی ہے کہ دوسرے نے تجھ کو بچالیا ورنہ محض پکارنے سے تو کہاں بچ سکتا تھا اور حقیقت میں ہمارا تو پکارنا بھی ان ہی کی عطا ہے اگر وہ طلب دل میں پیدا نہ کریں تو ہم سے پکارنا بھی نہ ہوسکتا۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو ایمنی از تو مہابت ہم ز تو (۲)

تصدیق و تعمیل

اس کے بعد فرماتے ہیں: ﴿فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي﴾ کہ جب ہم تمہارا کام کردیتے ہیں اب تم بھی ہمارا کہنا مانو کہ میری باتوں کی تصدیق کرو اور عملاً اس کی تعمیل کرو: ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ تاکہ تم کو رشد و فلاح حاصل ہو اور ہدایت میں ترقی ہو (یہ ترجمہ لفظی نہیں بلکہ حاصل ترجمہ ہوا) اس میں بتلادیا کہ ہم جو تم سے یہ کہتے ہیں کہ ہمارا کہنا مانو اس میں ہمارا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس کا نفع بھی تمہارے ہی لئے ہے، اب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ میرا کہنا مانو ایسا ہے جیسا ہم بچہ سے کہا کرتے ہیں کہ میاں ہماری ایک بات مان لو اور وہ یہ ہے کہ کھانا کھالو اس عنوان سے اس پر گرانی نہ ہوگی اور وہ اپنے کام تمہاری خاطر سے کرلے گا۔ اسی طرح یہاں اللہ تعالیٰ نے جو کام بتلایا ہے وہ ہمارا ہی کام ہے ہمارے ہی فائدہ کا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کیا ٹھکانا ہے کہ اس کو اپنا کام قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمارا کہنا مان لو۔ یہ تو مختصر طور سے آیت کی تفسیر تھی اور اصل مقصود اکمال کا بیان کرنا تھا۔

---

(۱) میں تیراک ہوں (۲) دعا بھی آپ کی طرف سے ہے عبادت بھی بے غمی بھی آپ کی طرف سے ہے ہیبت بھی!

حقیقی روزہ

اب میں اصل مقصود کو مختصر طور پر بیان کرتا ہوں پس سنئے کہ اللہ تعالیٰ نے اکمال عدت کی مقصودیت کو بیان فرمایا ہے کہ ہم نے احکام صوم میں آسانی کی رعایت اس لئے کی ہے تاکہ اس مدت کو جو روزہ کے لئے مقرر کی گئی ہے پورا کرلو ہر چند کہ اس عنوان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکمالِ عدت خود مقصود ہے مگر درحقیقت اسی مقصود سے بھی مقصود دوسری چیز ہے جس کے لئے اکمال عدت (۱) ذریعہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کی تعلیم کا طریقہ یہ ہے کہ ذرائع کو بھی مقصود بنا کر سکھلاتے ہیں تاکہ مخاطب ذریعہ کا پورا اہتمام کرے تو نتیجہ اس پر خود مرتب ہوجائے گا اور یہی اصول صوفیہ نے قرآن سے سیکھا ہے چنانچہ وہ طالبین کو یہی تعلیم کرتے ہیں کہ مقصود عمل ہے وصول مطلوب نہیں کیونکہ عمل اختیاری ہے اور وصول (۲) غیر اختیاری ہے تم عمل کے مکلّف ہو اسی کو مقصود سمجھ کر بجالاتے رہو اس پر وصول خود مرتب ہوجائے گا۔

اب سمجھئے کہ وہ مقصود کیا ہے جس کے لئے اکمال عدت اصل میں ذریعہ ہے۔ وہ تقویٰ جس کو اللہ تعالیٰ نے صوم کے ذکر میں ابتداء ہی فرمایا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ (۳) اور تقویٰ کی حقیقت ہے دنیا میں گناہوں سے بچنا اور آخرت میں عذاب سے نجات پانا یہ نفع ہے اکمال (۴) کا اس کے بعد یہ بھی سمجھئے کہ اکمال عدت (۵) کے دو درجے ہیں

(۱) گنتی پورا کرلینا (۲) اللہ کا قرب (۳) اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم پرہیزگاری کرو۔ تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو سورۃ البقرۃ: ۱۸۳ (۴) یہ فائدہ ہوا رمضان کے روزے پورے رکھنے کا (۵) رمضان کے پورا کرنے کے دو درجے ہیں۔

ایک اکمال ظاہری کہ رمضان کا پورا مہینہ روزہ میں تمام ہوجائے اور ایک اکمال معنوی کہ اس پر یہ غایت مرتب ہو جو اکمال سے مطلوب ہے پس روزہ کا حقیقی پورا کرنا یہ ہے کہ ہم ہر دن یہ دیکھتے رہیں کہ گناہوں سے کس قدر بچے اور آئندہ کے لئے کس قدر اہتمام کیا اگر یہ غایت مرتب نہ ہوئی تو اکمال عدت محض ظاہری ہوگی حقیقی اکمال حاصل نہ ہوگا اسی لئے حدیث میں ہے: ''مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ اَنْ يَدَعَ شَرَابَهٗ وَ طَعَامَهٗ'' (جو شخص روزہ میں بیہودہ باتیں اور بیہودہ کام نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کچھ پرواہ نہیں) اس سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اکمال عدت کا یہ درجہ مطلوب ہے جس پر تقویٰ مرتب ہو پس ہم کو اپنی حالت کا مطالعہ کرنا چاہئے کہ ہم رمضان میں گناہوں سے کس قدر بچے اور کتنا اس کا اہتمام کیا افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ہم لوگوں کو روزہ میں گناہوں سے بچنے کا ذرا بھی اہتمام نہیں۔

اندیشۂ ناقدری

ہماری حالت وہی ہے جو پہلے تھی بلکہ بعضوں کے تو رمضان میں گناہ پہلے سے بھی بڑھ گئے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا مذاق یہ ہے ؎

ہر گناہے کہ کنی درشب ادینہ کن تاکہ از صدر نشیناں جہنم باشی

''جو گناہ کرنا ہے شب جمعہ میں کرو تاکہ جہنم میں صدر نشین تو بن سکو''

یہ وہ بیباک لوگ ہیں جن کو متبرک زمانہ میں بھی تنبہ نہیں ہوتا کہ اس زمانہ میں گناہ کرنے کا وبال اور دنوں سے زیادہ ہے قاعدہ سے تو یہ چاہئے تھا کہ جن لوگوں نے ان متبرک دنوں کو یوں برباد کیا ہے ان کے لئے ان ایام کی مکافات کا کوئی طریقہ نہ ہوتا مگر خدا تعالیٰ کی رحمت بے انتہا ہے وہ اب بھی رحمت کرنے کو

موجود ہیں اگر ان بقیہ دنوں کی درستی کر لی جائے اور اب تک کے گناہوں سے توبہ کر لی جائے۔ صاحبو! ہمیں اس رحمت کی قدر کرنا چاہیئے ورنہ پھر یہ وقت شاید نہ ملے۔ اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو ایک اور اندیشہ ہے وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی بددعا نہ لگ جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو بددعا دی ہے جس نے رمضان میں بھی اپنے گناہوں کی مغفرت نہ کرائی ہو۔ حضورؐ نے تین شخصوں کو بددعا دی ہے ایک وہ جس نے اپنے ماں باپ دونوں کو یا ایک کو ان کے بڑھاپے میں پایا اور ان کی خدمت وغیرہ سے راضی کر کے جنتی نہ بنا۔ دوسرے وہ جس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا گیا اور اس نے حضورؐ پر درود و سلام نہیں بھیجا۔ تیسرے وہ جس نے رمضان کو ختم کر دیا اور اپنے گناہوں کی مغفرت نہیں کرائی۔ کیا حضور ﷺ کی بددعا سے بچنا ضروری نہیں؟ اس لئے اس کا اہتمام کیا جائے اور پچھلے گناہوں سے توبہ کی جائے مگر قربان جایئے حضور ﷺ کے کہ گو آپ ﷺ نے بظاہر ان لوگوں کو بددعا دی ہے مگر بددعا بھی ایسے عنوان سے ہے جس میں دعا کی بھی جھلک ہے کیونکہ آپ نے ''رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ'' فرمایا ہے کہ اس کی ناک خاک میں ملے یہ ایسی بددعا ہے جیسے قدسیہ بیگم والیہ بھوپال اپنی باندیوں کو غصہ میں کہا کرتی تھی کہ تمہاری چوٹی کٹواؤں گی تم کو گدھے پر سوار کراؤنگی پھر سب کو حج میں ساتھ لے گئیں اور وہاں احرام کھولتے ہوئے سب کی چوٹیاں کٹیں اور عمرہ لانے کے لئے گدھے پر بھی سوار ہونے کا موقعہ ہوا ہوگا اسی طرح '' رَغِمَ اَنْفُهٗ '' کے معنی یہ ہیں کہ اس کو سجدہ کی توفیق ہو اور یہ اس موقعہ کے مناسب بھی ہے کیونکہ گناہ بُعد کا سبب ہے اور سجدہ قرب کا سبب ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ رمضان کا روزہ کے ساتھ پورا ہو جانا بڑی نعمت ہے کیونکہ اس سے ہم کو گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے اور آخرت میں جہنم سے نجات ہوگی پس ہم کو خوش اسلوبی کے ساتھ رمضان کو پورا کرنا چاہیئے اور خوش اسلوبی یہی

ہے کہ گناہوں سے بچنے کا پورا اہتمام کیا جائے۔

بلاغتِ قرآن

اب میں ختم کرنا چاہتا ہوں اور آخیر میں اتنی بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ آج میں نے جس طرح ان آیات کی تفسیر بیان کی ہے اس سے آپ کو معانی قرآن اور بلاغت قرآن کا اندازہ ہوگیا ہوگا کہ قرآن کی تعلیم کیسی پاکیزہ ہے' اس کا طرزِ بیان کیسا بلیغ ہے اس کی آیات و اجزاءِ آیات میں کیسا عجیب ربط ہے اس میں ہمارے جذبات کی کیسی رعایت ہے۔ پس آج قرآن کا کچھ نمونہ آپ کے سامنے بیان کر کے میں یہ عرض کروں گا کہ میرا یہ بیان پہلے بیان سے مرتبط ہے جو شعبان میں ہوا تھا کہ اس میں الفاظ قرآن کے حسن کا بیان تھا آج معانی قرآن کے حسن کا بیان تھا حالانکہ میں پوری طرح اس کے حسن کو بیان نہیں کر سکا مگر انشاء اللہ کچھ نمونہ تو آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا جس کے بعد آپ یہ ضرور کہیں گے کہ قرآن کی شان یہ ہے۔

بہارِ عالم حسنش دل و جاں تازہ می دارد   برنگ اصحاب صورت را بو ارباب معنی را

''اس کے حسن کی بہار جان کو تازہ رکھتی ہے ظاہر پسندوں کو ظاہری حسن سے اور معنی شناسوں کو باطنی خوشبو سے''۔

اور اس کی یہ شان ہے۔

محدرات سرا پردہ ہائے قرآنی   چہ دلبرند کہ دل می برند پنہانی

''قرآن کے اسرار ایسے ہیں کہ محبوبوں کی طرح چھپے ہوئے دل لے جاتے ہیں''

واقعی کسی نے سچ کہا ہے۔

چیست قرآن اے کلام حق شناس   رونمائے رب ناس آمد بہ ناس

حرف حرفش راست در بر معنۓ معنۓ در معنۓ در معنۓ

''اے حق شناس قرآن جانتے ہو کیا ہے؟ لوگوں کو خدا کا چہرہ دکھانے والا ہے اس کے حرف حرف میں کئی معانی اور مطالب پوشیدہ ہیں۔

واللہ قرآن کے حسن کی حالت یہ ہے کہ

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

''سر سے قدم تک جہاں بھی دیکھتا ہوں وہیں خوبصورتی پر ہی خوبصورتی نظر پڑتی ہے اور آنکھ ٹک کر رہ جاتی ہے''

مقصودِ بیان

بس اب میں مقصود عرض کر چکا ہوں مکرر پھر عرض کرتا ہوں کہ ان بقیہ ایام رمضان کی ہم کو قدر کرنا چاہیئے اس میں نماز کا اور خصوصا تراویح کا اہتمام کرنا چاہیئے مگر جو حافظ اجرت لیکر قرآن سنائے اس کے پیچھے تراویح نہ پڑھیں اس سے افضل یہ ہے کہ ''اَلَمْ تَرَ کَیْفَ'' سے تراویح پڑھ لی جائے اور اگر ہمت ہو تو رمضان کے بقیہ ایام میں اعتکاف کا بھی اہتمام کیا جائے۔ اعتکاف بڑی اچھی عبادت ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے کو خدا کے دروازہ پر ڈال کر زبان حال سے یوں عرض کرتا ہے کہ ۔

خسرو غریب است وگدا افتادہ در کوئے شما باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

''خسرو ایک مسافر و گدا ہے جو آپ کے کوچہ میں آ گیا خدا کے لئے کب مسافر نوازی ہوگی''

کہ اے اللہ ہم چاہے اچھے ہیں یا برے ہیں آپ ہی کے ہیں اور آپ

ہی کے در کے سوا ہمارے لئے کوئی دوسرا در نہیں اس کا جو اثر ہوتا ہے اس کو ایک مثال سے سنئے ایک غلام اپنے آقا سے یوں کہہ رہا تھا ۔

ترا بندہ چوں من بیفتد بسے مرا چوں تو خواجہ نباشد کسے

''آپ کو میرے جیسے بہت غلام مل جائیں گے مگر مجھے آپ جیسا آقا نہیں مل سکے گا''

کہ آپ کو تو مجھ جیسے غلام اور بھی مل سکتے ہیں مگر مجھے آپ سے بہتر آقا نہیں مل سکتا اس کا اثر جو کچھ ہوا ہوگا دل کو معلوم ہے۔

بے کسی پر رحم

ایک اور حکایت شیخ نے لکھی ہے کہ ایک بزرگ رات کو تہجد میں اُٹھے غیب سے ندا[1] آئی کہ جو چاہے کچھ قبول نہیں اور یہ آواز اس طور سے آئی کہ ایک مرید نے بھی سن لی۔ پیر کے لئے وہ حالت بہت سخت ہے جس میں مرید بھی اس سے پھرنے لگیں مگر عارف اس کی پرواہ نہیں کرتا اس کے معمولات میں ذرا فرق نہیں آیا کرتا چنانچہ وہ بزرگ تہجد میں مشغول ہوگئے اور اگلی رات آئی تو معمول کے موافق پھر تہجد کو اُٹھے ایک عاشق مرید کو پیر کی اس حالت پر ترس آیا اور اس نے کہا کہ جب وہاں کچھ قبول ہی نہیں تو آپ کیوں مشقت برداشت کرتے ہیں پڑ کے سو ہی رہئے شیخ آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا ۔

توانی ازاں دل پرداختن کہ دانی کہ بے او تواں ساختن (۲)

کہ بیٹا یہ تو صحیح ہے کہ ان کے یہاں میرا عمل مقبول نہیں مگر ان کو چھوڑ کر کیسے بیٹھ رہوں کہ دوسرا در بھی تو کوئی نہیں بس یہ کہنا تھا کہ رحمت کو جوش آیا اور غیب سے

(۱) آواز (۲) اگر اس کے سوا کوئی ہو سکے ہو تو اس سے دل اٹھالو۔

دوسری آواز آئی ۔

قبول ست گرچہ ہنر نیستت   کہ جز ما پناہے دگر نیستت (۱)

کہ جاؤ تمہاری اس بے کسی پر رحم کر کے تمہارے لئے دوسرا کوئی دروازہ نہیں ہم نے تم کو قبول کرلیا پس اعتکاف کی حقیقت یہی ہے کہ بندہ یہ کہہ کر اپنے کو کریم کے دروازہ پر لا ڈالے کہ آپ کے سوا میرا کوئی نہیں ع

میفگن کہ دستم نگیرد کسے (۲)

انشاء اللہ یہ عبادت ضرورت رنگ لائے گی۔

ایک عبادت رمضان میں قابل اہتمام یہ ہے کہ لیلۃ القدر کی تلاش کی جائے حدیث میں آتا ہے کہ عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں اس کو تلاش کرو۔ اگر کسی کو سب میں جاگنے کی ہمت نہ ہو تو کم از کم ستائیسویں رات میں تو ضرور جاگ لے یعنی اور راتوں سے کچھ زیادہ جاگ لے تمام رات جاگنا شرط نہیں اور اس میں جس قدر ہو سکے نمازیں پڑھتا رہے جب اس سے تھک جائے تلاوت قرآن یا ذکر اللہ میں مشغول ہو جائے ستائیسویں رات کے متعلق بہت سے حضرات صحابہ کا جزم ہے کہ لیلۃ القدر یہی ہے۔

اختلافِ تاریخ میں تلاش شبِ قدر

مگر اس کے متعلق بعض لوگوں کو شاید ایک فلسفی شبہ پیدا ہوگا وہ یہ کہ چاند میں آجکل اختلاف ہے تو جو رات یہاں ستائیسویں ہوگی وہ بعض جگہ اٹھائیسویں ہوگی تو کیا لیلۃ القدر دو ہوں گی اور ایک ہوئی تو کس کی رویت کا اعتبار ہوگا اس کا

(۱) اگر ہنر نہیں مگر بے ہنری بھی قبول ہے کیونکہ تمہاری میرے سوا کوئی پناہ نہیں۔ (۲) مجھے نظر انداز نہ کرنا کیونکہ آپ نے نظر انداز کر دیا تو میرا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں۔

جواب یہ ہے کہ آپ کو خبر بھی ہے کہ وہاں رات دن نہیں ہیں اور یہ تو خود سائنس والے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ لیل و نہار کرۃ النسیم سے نیچے ہی نیچے ہیں کرۃ النسیم کے اوپر رات دن نہیں بلکہ یکساں حالت ہے یہ جواب میرے دل میں آیا بڑی خوشی ہوئی اور اس سے ایک بات ابھی اور دل میں آئی ہے وہ یہ کہ معراج کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام سے مسجد اقصی تک کی سیر بیان فرمائی ہے سیر سمٰوات کا ذکر نہیں فرمایا جس سے بعض اہلِ باطل نے سیر سمٰوات کی نفی پر استدلال کیا ہے تو وہاں تو سیر سمٰوات کا ذکر اس واسطے نہیں کیا گیا کہ وہاں ''لیــلا'' کی قید بھی مذکور ہے پس ضروری ہوا کہ اسی قدر سیر بیان کی جائے جو لیل کے اندر واقع ہوئی اور ظاہر ہے کہ سیر سمٰوات لیل و نہار سے باہر ہوئی ہے سمٰوات میں لیل و نہار کا تحقق ہی نہیں تو اس سے سیر سمٰوات کی نفی پر استدلال محض لغو ہے ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیر سمٰوات رات میں نہیں ہوئی سو یہ مسلم ہے بلکہ ہم تو یوں کہتے ہیں کہ وہ تو نہ دن میں ہوئی نہ رات میں وہ تو ایسے ایسے مقام پر ہوئی ہے جہاں رات ہے نہ دن۔

بہر حال وہاں لیل و نہار ہے اس واسطے لیلۃ القدر کی جو شان و برکات ہیں وہ لیل و نہار کے ساتھ مقید نہیں بلکہ ارادۂ حق کے تابع ہیں۔ تو اس کی مثال بارش کی طرح ہے کہ یہاں کے کرۃ النسیم کے نیچے آج بارش ہے اور کلکتہ کے کرۃ النسیم کے نیچے کل بارش ہے اگر شب قدر بھی ایسی ہو کہ یہاں آج ہے اور کلکتہ میں کل ہے تو اس میں اشکال کی کیا بات ہے آخر بارش میں کیا ایسا اختلاف نہیں ہوتا پھر معنوی بارش برکات میں ایسا اختلاف ہو تو کیا تعجب ہے اس لئے بے فکر ہو کر آپ اپنی ہی تاریخوں کے حساب سے کام کیجئے اللہ تعالیٰ تو سب کی نیتوں کو اور کام کو دیکھتے ہیں وہ سب کو ان کے حساب کے موافق لیلۃ القدر کی برکات عطا فرما دیں گے۔

وداعِ رمضان

پس رمضان کو اس طرح خوش اسلوبی سے گزاریئے کہ جو دن رہ گئے ہیں ان میں طاعات کا اہتمام کیجئے اور گناہوں سے دور رہیئے تا کہ وہ خوش ہوکر آپ سے رخصت ہوکر جناب باری میں شفاعت کرے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ قرآن اور صوم دونوں قیامت میں روزہ داروں کی شفاعت کریں گے قرآن کہے گا خداوندا! میں نے اس کو نیند سے اور آرام سے روکا تھا میری شفاعت اس کے حق میں قبول کی جائے۔ روزہ کہے گا کہ میں نے اس کو کھانے پینے اور شہوت پوری کرنے سے روکا تھا میری شفاعت اس کے حق میں قبول کیجئے۔ یہ ہے حقیقی وداعِ رمضان اور وہ جو آخری جمعہ میں ''الوداع الوداع یا شہر رمضان'' پڑھا جاتا ہے وہ تو بدعت ہے شریعت میں اس کا کہیں ثبوت نہیں اور ہمارے ایک فارسی کے استاد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جیسے رمضان کے جانے کا غم ہوتا ہے اس کے آنے کی خوشی بھی ہونی چاہیئے تو اگر جانے پر خطبۃ الوداع پڑھتے ہو تو اس کے آنے پر بھی ایک مرحبا کا پڑھنا چاہیے کہ ''مرحبا مرحبا یا شہر رمضان'' خصوصا جب کہ یہ دیکھا جائے کہ اظہارِ سرور کی تو شریعت میں اصل بھی ہے اور اظہارِ غم کی کوئی اصل نہیں نیز حضور ﷺ نے رمضان کے آنے سے پہلے تو مسلمانوں کو رمضان کے لئے مستعد ہوجانے کا ارشاد فرمایا ہے جانے کے وقت کوئی حسرت ورنج ظاہر نہیں فرمایا۔

مکمل صوم

الحمدللہ کہ ضرورت کے موافق اکمالِ رمضان کے متعلق کافی بیان ہوچکا

صرف ایک جز و رہ گیا ہے کہ عید کے دن صدقۂ فطر ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیئے کیونکہ وہ بھی صومِ رمضان ہی کا مکمِل ہے حدیث میں ہے کہ روزہ کے حقوق وآداب میں جو کچھ کوتاہی ہوجاتی ہے صدقۂ فطر سے اس کا کفارہ ہوجاتا ہے۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیقِ عمل دے اور فہمِ سلیم عطا فرمائے ۔
وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیّدنا ومولانا محمد وعلی آله واصحابہٖ اجمعین واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین۔

---

(۱) اللہ تعالیٰ اس وعظ سے استفادہ کرنے والوں کو رمضان کے حقوق ادا کرنے اور اس کی برکات سے بہرہ ور ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔خلیل احمد تھانوی ۶ رجب ۱۴۲۸ھ۔

اکمال العدة

(ایامِ رمضان کی تکمیل اور روزہ میں آسانی)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	خطبہ مأثورہ	۳
۲	تمہید	۴
۳	روحانی سہولت	۴
۴	نورِ ذکراللہ	۶
۵	اصلی غذا و دوا	۷
۶	صومِ شعبان کی حکمت	۹
۷	ادائیگی کے فرض پر انعام	۱۴
۸	تفسیری نکتہ	۱۴
۹	نتائج یسر	۱۶
۱۰	روزہ اور فاقہ میں فرق	۱۶
۱۱	آیت کا مطلب	۱۷
۱۲	گناہ کی نحوست	۱۸
۱۳	قبولیت کی توبہ کی علامت	۱۹
۱۴	لطیفہ	۲۰
۱۵	آثارِ غایتِ قرب	۲۰

۱۶	حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا درجۂ بلند	۲۱
۱۷	مشاہدۂ حق کا ظہور	۲۲
۱۸	حاجی صاحبؒ کے مریدانِ کامل	۲۲
۱۹	طاعتِ پدری	۲۳
۲۰	طاعات کا فائدہ	۲۴
۲۱	توفیقِ ذکر	۲۵
۲۲	شیطانی وسوسہ	۲۵
۲۳	شیطانی وسوسہ کا علاج	۲۵
۲۴	قبولیت نماز کی دلیل	۲۶
۲۵	عبدیت وتفویض	۲۷
۲۶	مسئلہ تقدیر میں غور وخوض سے احتراز کرو	۲۷
۲۷	تفویض کا فائدہ	۲۸
۲۸	قرآن کریم میں جذبات کی رعایت	۲۹
۲۹	حکیمانہ جواب	۳۰
۳۰	نماز عید کی تکبیرات زائد کی حکمت	۳۰
۳۱	مقامِ شکر	۳۱
۳۲	تکبیراتِ عید اور تکبیراتِ تشریق میں فرق	۳۲
۳۳	اللہ کا بندوں سے خاص تعلق	۳۲
۳۴	لسانِ حق	۳۳

۳۵	حقیقتِ عبادت	۳۴
۳۶	تصدیق وتعمیل	۳۵
۳۷	حقیقی روزہ	۳۶
۳۸	اندیشۂ ناقدری	۳۷
۳۹	بلاغتِ قرآن	۳۹
۴۰	مقصودِ بیان	۴۰
۴۱	بے کسی پر رحم	۴۱
۴۲	اختلافِ تاریخ میں تلاش شبِ قدر	۴۲
۴۳	وداعِ رمضان	۴۴
۴۴	مکمل صوم	۴۴